جدید اردو افسانہ

اُردو افسانے کے آغاز کے حوالے سے اگرچہ سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، علامہ راشد الخیری اور خواجہ حسن نظامی کا ذکر بھی کیا جاتا ہے لیکن اردو افسانے کی ابتداء کا سہرا حقیقتاً منشی پریم چند کے ہی سر بندھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نہ صرف تواتر سے افسانے لکھے بلکہ اس کے ارتقائی سفر میں بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ 1907ء میں ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'سوزِ وطن' منظر عام پر آیا۔ دودھ کی قیمت، پوس کی رات، بڑے گھر کی بیٹی، نمک کا داروغہ، شطرنج کی بازی، عید گاہ، حجِ اکبر، نجات، دو بیل، شکوہ شکایت، نئی بیوی، قاتل، آخری تحفہ، سوا سیر گیہوں وغیرہ ان کے کامیاب افسانے ہیں۔ افسانہ 'کفن' پریم چند کا شہکار افسانہ کہلاتا ہے۔

1930ء کے بعد اردو میں دوسری زبانوں کے ترجمے بڑے پیمانے پر ہوئے۔ اردو افسانے کو روسی، فرانسیسی، جاپانی، انگریزی اور مختلف زبانوں کے اردو افسانوں کے تراجم سے بڑی وسعت ملی، ان ترجموں نے اردو افسانہ نگاروں کو بھی متاثر کیا اور انہیں موضوع کے انتخاب، پلاٹ کی تعمیر، ڈرامائی اختتام، تکنیک کے تنوع اور مقصدیت کی طرف متوجہ کیا۔ 1932ء میں افسانوں کا مجموعہ 'انگارے' منظر عام پر آیا معاشرے میں پائی جانے والی فرسودہ روایات کے خلاف گھٹن کا احساس ہونے لگا اس ناآسودگی اور گھٹن کا اظہار 'انگارے' کی شکل میں ہوا، یہ سجاد ظہیر، رشید جہاں، احمد علی، اور محمود ظفر کے افسانوں کا مجموعہ تھا 1936ء تا 1960ء کا دور ترقی پسند تحریک کا دور کہلاتا ہے۔ ترقی پسند تحریک اردو ادب کی سب سے مقبول تحریک ہے۔ اس تحریک نے اردو ادب پر گہرا اثر ڈالا۔ یہ تحریک ادب برائے زندگی کا فلسفہ لے کر آئی تھی۔ ترقی پسند رجحان کے افسانہ نگاروں نے طبقاتی کشمکش، سماجی انتشار، اخلاقی اقدار کا کھوکھلا پن، افلاس، جنسی گھٹن، رجعت پرستی وغیرہ جیسے موضوعات سے اردو افسانے کو روشناس کرایا۔ 1936ء تا 1960ء تک کے دور میں اردو افسانہ موضوع اور تکنیک کی سطح پر انقلابی تبدیلیوں سے روشناس ہوا اور ایسے ایسے تجربات کیے گئے جس نے اردو افسانے کو اعتبار اور وقار بخشا۔

1960ء تا 1980 کے دور کو دورِ جدیدیت کہتے ہیں۔ 1960ء کی دہائی میں اردو ادب میں غزل اور افسانے کو نئی جہتوں اور نئے زاویوں سے آشنا کرنے کے لیے ادیب اور شاعر میدان میں آگئے۔ جدید غزل اور جدید نظم کا شور اُٹھا اور پھر جدید افسانہ بھی وجود میں آیا۔

جدیدیت وہ رجحان ہے جس نے اردو ادب اور خاص طور سے اردو نثر پر اپنا گہرا نقش چھوڑا ہے۔ افسانے کے اس جدیدیت کے دور میں فن و تکنیک کے لحاظ سے نئے نئے تجربے کئے گئے، اس دور کی علامتی اور تجریدی افسانہ نگاری نے افسانے کو نئی جہت سے آشنا کیا۔ یہ افسانہ ترقی پسند افسانے سے مختلف تھا، وہ انسان کی زندگی کا سیدھا سادہ بیان نہ ہو کر انسان کے ظاہر و باطن کا امتزاج پیش کرتا ہے۔ یہ افسانہ کوئی سماجی حل پیش نہیں کرتا، صرف سماجی صورتِ حال کو سامنے لاتا ہے۔ افسانہ نگار کسی خاص نظریے یا مقصد کے حصول کے تحت افسانہ نہیں لکھتے۔ معمول سے الگ کوئی انوکھی یا سنسنی خیز بات یا کوئی غیر متوقع انجام پیدا کر کے قاری کو حیران کرتا ہے افسانے میں غیر ضروری تفصیلات سے گریز کیا گیا۔ نثری لوازم کے بجائے شعری لوازم کی طرف مراجعت کی گئی اور شاعری و نثر کی حدیں توڑنے کی کوشش کی گئی۔ شہروں کے نام نہیں لکھے گئے تاکہ افسانے میں مقامی رنگ نہ آنے پائے۔ کرداروں کی جگہ ا، ب، ج، یا پھر اس کے صفات معمر آدمی، سرخ بالوں والا، نجات دہندہ وغیرہ استعمال کیے جانے لگے۔

جدید افسانہ نگاروں کی فہرست میں کئی نام شامل ہیں سب کا یہاں ذکر کرنا مشکل ہے، لہٰذا چند جدید افسانہ نگاروں کی افسانہ نگاری پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

انتظار حسین: جدید افسانہ نگاروں میں انتظار حسین کا شمار صفِ اول کے افسانہ نگار کے طور پر ہوتا ہے انتظار حسین اپنے داستانی اسلوبِ اظہار کے لیے جانے جاتے ہیں۔ ہجرت کا المیہ ان کے افسانوں کا غالب موضوع ہے۔ تہذیبی جڑوں کی تلاش اور ماضی کی روایات کی بازیافت کے ساتھ انہوں نے داستان جاتک، بدھ مت، تصوف اساطیر، اور برِ صغیر کی پانچ ہزار سالہ تہذیب کو جس خوبصورتی اور تخلیقی بصیرت سے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے اس نے انتظار حسین کو جدید افسانہ نگاروں میں معتبر ترین حیثیت عطا کی ہے ان کے اہم افسانے، آخری آدمی، زرد کتا، ایک بن لکھی رزمیہ، خالی پنجرہ، کچھوے، شہر افسوس، اور ایک خط ہندوستان سے، وغیرہ ہیں۔

قرۃ العین حیدر: قرۃ العین حیدر نے ہند ایرانی تہذیبی قدروں کا زوال نہ صرف دیکھا ہے بلکہ اسے اپنی تخلیقات کا حصہ بھی بنایا ہے۔ ملک کی گنگا جمنی تہذیبی وحدت کا بکھراؤ ان کے افسانوں کا موضوع ہے۔ وہ شائستگی، نفاست اور انسانیت کی اعلیٰ اقدار کو عزیز رکھتی ہیں فنی بصیرت سے اپنے افسانوں کا تانا بانا بناتی ہیں۔ انہوں نے فرد کی تنہائی اور کرب کو بھی افسانوں کا موضوع بنایا ہے لیکن یہ کرب بھی سماجی انتشار اور بکھراؤ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے بھی ان کے افسانے اہم ہیں۔ شعور کی رو کی تکنیک کا استعمال انہوں نے فنکارانہ بصیرت کے ساتھ کیا ہے۔ حسب نسب، آئینہ، فروش شہر کو رواں، یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے، ڈالن والا، جلاوطن، وغیرہ ان کے اہم افسانے ہیں۔ طویل افسانوں میں، ہاوسنگ سوسائٹی، اور چائے کے باغ، مشہور ہیں۔

سریندر پرکاش: سریندر پرکاش جدید افسانہ نگاروں کی فہرست میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ان کے افسانے اس لحاظ سے اہم ہیں کہ وہ قدیم روایات کی معنویت و اہمیت سے منکر نہیں ہے بلکہ جدید انسان نے ان کی طرف سے جو شعوری اور پر چشم پوشی یا انحراف کا رویہ اختیار کیا ہے اُس پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں ۔اس کے باوجود اُنہوں نے اسلوبی اور انسانی سطح پر اپنی ہنر مندی کے سہارے اردو مختصر افسانے میں نت نئے تجربے کئے ہیں، جس کی مثالیں اُن کے دو مجموعوں، ''دوسرے آدمی کا ڈرائنگ روم'' (1968ء) اور ''برف پر مکالمہ'' (1981ء) میں ملتی ہیں۔ سریندر پرکاش نے ابتدا ہی سے علامت نگاری کی طرف توجہ کی، اُن کا پہلا افسانہ ''نئے قدموں کی چاپ'' علامتی افسانہ تھا جس میں انہوں نے نئی اور پرانی نسل کے باہمی تصادم و کشمکش، تضادات اور ان کے احساسات و خیالات کو علامتی انداز مین پیش کیا ہے۔ سریندر پرکاش کے نمائندہ افسانے اسطرح ہیں۔ بجوکا، رونے کی آواز، برف پر مکالمہ، خشت و گل، نئے قدموں کی چاپ، نقب زن، ہم صرف جنگل سے گزر رہے تھے، گاڑی بھی رسد، تعاقب، ساحل پر لیٹی ہوئی عورت، جنت، قابل ذکر ہیں۔

انور سجاد: انور سجاد جدید دور کے ایک بڑے افسانہ نگار ہیں۔ انہوں نے سامراجی، سیاسی، اور سرمایہ دارنہ استبداد کو بڑی خوبی سے افسانوں میں پیش کیا ہے 1964ء میں اُن کا پہلا مجموعہ ''چوراہا'' منظر عام پر آیا، دوسرا مجموعہ ''استعارے'' 1970ء میں شائع ہوا، اور تیسرا مجموعہ ''آج'' 1982ء میں۔ انور سجاد کے افسانے عصری حسیت کے حامل ہیں۔ انور سجاد مصور اور شاعر بھی ہیں، اسطرح مصوری اور شاعری کے امتزاج سے انہوں نے جدید افسانے کو ایک نیا موڑ دیا۔ اُن کے یہاں نثر اور نظم کے درمیان بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ ان کے افسانوں میں شعر کا گمان ہونے لگتا ہے افسانہ ''ماں اور بیٹی'' اسکی اچھی مثال ہے، انور سجاد کے پانچ افسانے جو ''آج'' کے عنوان سے لکھے گئے ہیں نثر سے زیادہ شعری عناصر کے حامل ہیں۔

بلراج مین را: بلراج مین را کے افسانوں کا خاص وصف اختصار ہے۔ اس اختصار کے باوجود وہ اپنے افسانوں میں دنیا جہاں کا دُکھ درد اور حقائق زندگی کا ایک طویل دفتر سمو دیتے ہیں۔ بلراج مین را کے افسانوں میں شعری رویہ کارفرما نظر آتا ہے جس کے سبب افسانے نہ صرف پُر اثر اور دلچسپ ہو جاتے ہیں بلکہ پچھلے دور کے افسانوں سے مختلف بھی نظر آتے ہیں۔ شاعر ہونے کی وجہ سے وہ اپنے افسانوں میں شاعری کے تمام لوازمات کو فنّی مہارت سے پیش کرتے

ہیں۔ شعری رویہ کی واضح مثالیں "کمپوزشن ایک"، "ظلمت" اور "کمپوزشن پانچ" میں ملتی ہیں۔ اُن کے تجریدی و علامتی کہانیوں میں تخلیق اظہار کی صداقت پائی جاتی ہے۔ اس ضمن میں ان کے افسانے 'وہ"، "ریپ"، "ایک مکمل کہانی"، "آخری کہانی" اور "پورٹریٹ ان بلیک اینڈ بلڈ" قابل ذکر ہیں۔

جوگیندر پال: جوگیندر پال نے اپنی افسانہ نگاری کی ابتداء 1960ء سے پہلے کی تھی۔ 1961ء میں ان کا پہلا افسانوی مجموعہ "دھرتی کے لال" شائع ہوا۔ اس کے بعد، میں کیوں سوچوں (1962ء)، رسائی (1963ء)، مٹی کے ادراک (1971ء) اور منی کہانیوں کا ایک مجموعہ، سلوٹیں (1975ء) شائع ہوئے۔ جوگیندر پال اپنی افسانہ نگاری کے ابتدائی دور میں افریقہ میں تھے، اپنے پہلے افسانوی مجموعے "دھرتی کا لال" میں انھوں نے وہاں کی زندگی خصوصاً وہاں کے ہندوستانی نژاد لوگوں کی زندگی اور ان کے مسائل کو پیش کیا۔، دومنٹ کی خاموشی، مٹی ادراک، پرش اور پشو، ٹیلی اسکوپ، چہار درویش، باہر کے بھیتر، ربط کا انعقاد، پادشاہ، بازیچہ اطفال، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

اقبال مجید: اقبال مجید کے دو افسانوی مجموعے "دو بھیگے ہوئے لوگ" اور ایک حلفیہ بیان" (1984ء) شائع ہو چکے ہیں۔ جو عصری حسیت، تکنیکی تنوع اور اسلوب کی ندرت کے لحاظ سے اردو افسانہ نگاری میں خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ اقبال مجید نے فرد اور تہذیبی اقدار کے آپسی رشتے کو لے کر اچھی کہانیاں لکھی ہیں۔ وہ اقدار جو اچھے بھی ہیں اور برے بھی، جو ہمارے لیے سود مند بھی ثابت ہو سکتی ہیں اور ضرر رساں بھی۔ پیٹ کا کیچوا، بیساکھی، رگ سنگ، تھکن، شوکیس، ایک حلیفہ بیان، مدافعت، خدا، عورت اور مٹی، اور جنگل کٹ رہے ہیں، وغیرہ ان کے قابل ذکر افسانے ہیں جو جدید افسانہ نگاری میں خوشگوار تبدیلیوں کے مظہر ہیں۔

اقبال متین: اقبال متین کا پہلا افسانوی مجموعہ "اجلی پرچھائیاں" اگست 1960ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ "نچا ہوا البم" 1963ء، "خالی پٹاریوں کا مداری" 1977ء، "آگہی کے ویرانے" 1980ء "مزبلہ" 1989ء، میں بھی فسانہ تم بھی کہانی" 1993ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ اقبال متین نے قدیم اقدار کی شکست و ریخت، نئے پس منظر میں انسانی رشتوں کے نئے مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ گریو یارڈ، تار تار، نچا ہوا البم، پرچھائیاں، زمین کا درد، گھڑی، شیبا، گھڑی، ایک پھول ایک تتلی، خالی پٹاریوں کا مداری، آگہی کے ویرانے، میں فسانہ تم بھی کہانی، شعلہ پوش، وغیرہ اقبال متین کے اہم افسانے ہیں۔

رتن سنگھ: رتن سنگھ کے افسانے عصری حسیت کے حامل ہیں لیکن ان کا موضوع ابدی انسان ہے جو صدیوں سے ایک سی بدحالی و کسمپرسی کے عالم میں جی رہا ہے۔ اس کے فطرت میں نیکی و بدی دونوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے انسانی فطرت کو انہوں نے اپنے افسانوں میں بہت نرمی و ملائمت اور شائستگی سے پیش کیا ہے۔ وہ نئے اچھوتے اور انوکھے موضوعات کی تلاش میں رہتے ہیں۔، مریم، جس تن لاگے، بے بسی، آخری اداس آدمی، کھلونے، لیر، میلی گٹھری، جس تن لاگے، یگوں کی کہانی، واپسی، ایک پرانی کہانی، پنجرے کا آدمی، زندگی سے دور، ایک غریب یگ، نقلی اور اصلی، بابو، آخری اداس آدمی، خدا نہیں آتا، یُو ماسٹر، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

غیاث احمد گدی: غیاث احمد گدی نے اپنی افسانہ نویسی کی ابتداء خاص قسم کے معاشرتی افسانوں سے کی جن میں معاشرہ مختلف پہلوؤں کو مختلف زاویوں سے پیش کرتا ہے۔ سماجی موضوعات پر لکھے گئے افسانوں میں، کیمیا گر، قیدی، کالے شاہ، دیمک، افعی، پرندہ پکڑنے والی گاڑی، قابل ذکر ہیں۔ جن میں معاشرہ کی بدحالی، اخلاقی زوال، طبقاتی کشمکش، انسانی اقدار کی بے قدری، نچلے طبقے کی محرومیت و حق تلفی کو موثر پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "بابا لوگ" ہے۔ اس کے بعد دوسرا مجموعہ "پرندہ پکڑنے والی گاڑی" منظر عام پر آیا، جس میں انہوں نے علامتی اسلوب اپنایا۔

احمد ہمیش: احمد ہمیش نے اپنی کہانیوں کا مواد فرد کی زندگی کے داخلی تجربات، نفسیاتی کیفیات اور تاثرات سے حاصل کیا ہے اور اس کی ترتیب میں اظہار کے قدیم و جدید طریقوں کا استعمال کیا ہے۔ ان کے اسلوب کا ایک خاص وصف طنزیا Irony ہے۔ احمد ہمیش کے افسانوں کی ایک خاص خوبی ان کا رمزیہ انداز بیان بھی ہے۔ اس ضمن میں چھپکلی بے دیوار، بے زمینی، اور گبرولا، قابل ذکر ہیں۔ احمد ہمیش نے اپنے افسانوں میں، شعور کی رو کی تکنیک بھی استعمال کی ہے اور اس میں آزاد تلازمہ خیال سے کام لیا ہے جس کے ذریعے انہوں نے داخلی یا نفسیاتی کیفیات کا اظہار کیا ہے۔ احمد ہمیش کے افسانوں میں علامت نگاری کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ ''مکھی'' میں مکھی گندگی اور غلاظت کی علامت کے طور پر پیش کی گئی ہے۔ علامت نگاری کی ایک مثال افسانہ ''گبرولا'' ہے۔

عابد سہیل: عابد سہیل کا افسانوی مجموعہ ''سب سے چھوٹا غم'' (1976ء) میں شائع ہوا، جس میں شامل افسانے ان کی فن پر قدرت کے ضامن ہیں۔ انہوں نے اپنے پیش روؤں سے کوئی خاص اثر نہیں لیا۔ بلکہ اپنی الگ راہ چنی، وہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور انسانی رشتوں کی نزاکت کو بڑی خوبی سے اپنے افسانون میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں سادگی، آہستہ روی اور نرمی ہے۔ عابد سہیل نے جدید مسائل کو محسوس کرتے ہوئے بہت سے افسانے لکھے ہیں۔ جن میں، سب سے چھوٹا غم، روح سے لپٹی ہوئی آگ، دوسرا آدمی، دو نقش ایک تصویر، پیاسے، نوحہ گر، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان کے افسانوں میں جدت کا رنگ نمایاں ہے۔

کلام حیدری: کلام حیدری کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''بے نام کلیاں'' 1955ء میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ صفر 1975ء میں شائع ہوا۔ ان کا تیسرا مجموعہ ''الف۔لام۔میم، کے عنوان سے منظرِ عام پر آیا۔ کلام حیدری نے کسی خاص موضوع یا ہیئت کو اپنا مقصد و مرکز نہیں بنایا بلکہ حیاتِ انسانی کے مختلف پہلوؤں کو اپنا موضوع بنایا اور مختلف ہئیتی تجربے کیے۔ کلام حیدری کی علامتی کہانیوں میں 'عُنابی کانچ کا ٹکڑا' قابل ذکر ہے۔ اس میں داخلی خود کلامی کی تکنیک استعمال کی گئی ہے اور ہندو مسلم فساد کے المیے کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ان کے افسانوں میں تجریدی عناصر بھی پائے جاتے ہیں، اس ضمن میں 'لا، اسیر، اور صفر، قابل ذکر ہیں۔

رشید امجد: ان کا پہلا افسانہ ''سنگم'' 1962ء میں شائع ہوا۔ ان کے افسانوں کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان کا فن ارتقائی ہے۔ وہ ابتداء ہی سے نئی راہوں پر گامزن ہوئے اسی وجہ سے وہ اپنے پیشروؤں اور ہم عصروں کے مقابل اپنی انفرادیت کو بھی برقرار رکھ پائے ہیں۔ شناسائی، دیوار، تابوت، ڈوبتی آنکھوں کا خواب، بند ہوتی آنکھ میں ڈوبتے سورج کا عکس، گملے میں اگا شہر، شام، پھول، لہو، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

احمد یوسف: احمد یوسف کے دو افسانوی مجموعے ''آگ کے ہمسائے'' (1980ء) اور ''23 گھنٹے کا شہر'' (1984ء) شائع ہو چکے ہیں۔ ہر دور میں احمد یوسف کے افسانے عصری حسّیت کے حامل رہے ہیں۔ چراغ کشتہ، آگ کے ہمسائے، خطِ مخنی، تین گھروں کی کہانی، قصہ حجام کے ساتویں بھائی کا، وہ ایک شخص تھا، نقشِ ناتمام، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

سلام بن رزّاق: سلام بن رزاق کا پہلا افسانوی مجموعہ ''ننگی دوپہر کا سپاہی'' (1977ء) شائع ہو چکا ہے ان کا پہلا افسانہ ''رین کوٹ'' (1962ء) شاعر (بمبئی) میں شائع ہوا تھا۔ سلام بن رزاق موضوع کے انتخاب میں بڑی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیتے ہیں، اور ٹھوس سنجیدہ مسائل پر طبع آزمائی کرتے ہیں اور ان کے بیان میں رنگینی اور بے جا آرائش و زیبائش نہیں ہوتی ہے۔ واسو، حمام، مکھوٹے، دوسرا قتل، کالے ناگ کے پجاری، زنجیر ہلانے والے، ندی، درمیانی صف کے سورما، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

قمر احسن: قمر احسن جدیدیت کے دور کے ایک اہم افسانہ نگار مانے جاتے ہیں۔ انکا پہلا افسانہ ''آگ، الاو، صحرا'' ہے۔ تجرباتی اور تجریدی افسانہ نگاروں کی صف میں وہ ایک اہم مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ نیا منظر نامہ، تعاقب، یا مصطفیٰ،، طلسمات، اسپ کشپ، مات، ان کے اہم افسانے ہیں۔

انور خان: انور خان جدید دور کے ایک اہم افسانہ نگار ہیں۔ ''راستے اور کھڑکیاں'' ان کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے۔ انور خان اپنے افسانوں میں ہیئت کی بہ نسبت مواد کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ راستے اور کھڑکیاں، کوؤں سے ڈھکا آسمان، صداؤں سے بنا آدمی، سایہ اور سنت، بھیڑیں، شاندار موت کے لیے، پرچھائیں، کتاب دار کا خواب، نرسری، در گابائی کا ہوسٹل، جنکے سروں پر نیلا آسمان ہے، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

انور قمر: انور قمر کا پہلا افسانہ ''نروان'' ہے اور پہلا افسانوی مجموعہ 1978ء میں ''چاندنی کے سپرد'' کے نام سے شائع ہوا۔ انہوں نے عہد حاضر کے سماجی مسائل کو خصوصاً نچلے طبقے کی زبوں حالی، محرومی اور معاشرے میں اخلاقی زوال کو اپنا موضوع بنایا۔ جیک اینڈ جل اور میرا بیٹا، قیدی، ڈر، چاندنی کے سپرد، کیلاش پربت، چوراہے پر ٹنگا آدمی، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

حمید سہروردی: حمید سہروردی کا شمار جدید دور کے اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ جن کی افسانہ نگاری میں نظم اور نثر دونوں کی خوبیاں سمائی ہوئی ہیں۔ جس کی عمدہ مثالیں خاص طور پر ان کے افسانوں ''کشتیاں''، ''ندی اور وہ''، ''دہشت ہو کی صدائیں'' میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں فلسفیانہ فکر اور محسوساتی کیفیات کا باہم اتصال نظر آتا ہے۔ سمندر، سفید کوہ، بے چہرگی، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

آغا سہیل: آغا سہیل کے اب تک تین افسانوی مجموعے ''بدلتا ہے رنگ آسماں'' (1975ء)، ''شہر نا پرساں''، ''اور عہد زوال''، شائع ہو چکے ہیں۔ آغا سہیل موضوع کو ہیئتی تجربوں پر فوقیت دیتے ہیں۔ ان کے موضوعات کا دائرہ بہت وسیع ہے جو عہد قدیم سے لے کر عصر حاضر کے تمام اہم واقعات کا احاطہ کرتا ہے۔ شگاف در، ڈبویا مجھ کو، بدلتا ہے رنگ آسماں، وقت اُٹھے گا، شہر نا پرساں، موئے آتش، دیدہ، کنجی، ہاتھی دانت، ٹھکانہ کہیں نہیں، بازی گر، پرچم، آخری مورچہ، زبان خنجر، وغیرہ ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔

جدید افسانہ نگاروں کی فہرست میں اور بھی نام ہیں لیکن مضمون کی طوالت کو دیکھتے ہوئے انھیں مختصر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ 1980ء تا موجودہ دور میں جن افسانہ نگاروں نے افسانے کے کارواں کو آگے بڑھایا ہے۔ اُن کے نام کچھ اس طرح ہیں: قاضی عبد الستار (پیتل کا گھنٹا)، نیر مسعود (طاؤس چمن کی مینا)، بیگ احساس (حنظل)، مظہر الزماں خان (پہلے دن کی تلاش میں)، طارق چھتاری (نیم پلیٹ)، عبد الصمد (شہر بند)، سید محمد اشرف (ڈار سے بچھڑے)، حسین الحق (پس پردہ شب)، شفق (کانچ کا بازیگر)، منظر کاظمی (سیاہ غلاف کالے جرنیل)، مشرف عالم ذوقی (بھوکا ایتھوپیا)، ساجد رشید (ہانکا)، شوکت حیات (ختم سفر کی ابتدا)، الیاس احمد گدی (آدمی)، خالد جاوید (عکس نا آفریدہ)، احمد صغیر (انّا کو آنے دو)، نورالحسنین (بازی گر)، عارف خورشید (پہچان)، معین الدین جینا بڑے (رنگ ماسٹر)، یوسف عارفی (اس کی لاش)، ترنم ریاض (باپ)، م۔ ناگ (اسکول)، مظہر سلیم (دیمک)، مقصود اظہر (نیوٹن کا تیسرا قانون)، وغیرہ اہم ہیں۔